سلسلہ مطبوعات (۵۵)

عزیمت

سیریز نمبر 5

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

عزیمت

سیریز نمبر 5

مجلس ادارت

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد
مولانا مفتی عبدالقدیر
مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی
مقصود الحسن چوہدری

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

پیش کش

خطاب حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ ..... راؤ محمد اسحاق 1

ظلم اور عدل سماجی تناظر میں ..... مولانا عبدالرحیم 8

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

دین حق کا مقصد اعلیٰ اخلاق اور عدل کا معاشرہ قائم کرنا ہے

درج ذیل خطاب حضرت مولانا شاہ سید احمد رائے پوری مدظلہ نے مورخہ 29 مارچ 2002ء جامع مسجد بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی میں نماز جمعہ کے ایک اجتماع سے ارشاد فرمایا جس میں نوجوان طلباء کی ایک کثیر تعداد موجود تھی اس خطاب کو جناب راؤ محمد اسحٰق (منتظم شعبہ قانون ملتان یونیورسٹی) نے قلمبند کیا۔ قارئین کے مطالعہ کیلئے پیش ہے (ادارہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے فرمایا!

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں حضور ﷺ کو دنیا میں مبعوث کرنے کا مقصد بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے رسول کو دین حق اور ہدایت دے کر بھیجا ہے اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا کہ اس دین کو تمام دنیا پر غالب کرنا ہے۔ یعنی دین کی حکومت قائم کرنی ہے اور دوسرے تمام رسمی مذاہب جو اس دنیا میں چل رہے ہیں ان سب کو شکست دیکر عدل وانصاف کو قائم کرنا ہے اسلام کی حکومت سے مراد صرف مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے بلکہ دین کی حکومت مراد ہے۔ کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ ہو۔ تمام انسانوں کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آیا جائے۔ تمام انسانوں کی بحیثیت انسان عزت ہو اور تمام انسانوں کے بنیادی حقوق پورے ہوں۔ گویا دین حق میں انسان کیلئے دو طرح کی تعلیمات ہیں۔ ایک تو وہ تعلیمات ہیں جو حقوق اللہ کہلاتی ہیں یعنی اللہ کو وحدہ لا شریک ماننا یعنی اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں۔ صرف اسی کی اتباع کرے اس کے مقابلے میں نہ ہی اپنی خواہشات کی اتباع کرے نہ دین حق کیخلاف کسی اور نظام کی بات مانے۔

مسلمان کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اللہ کے حق کو پہچانے اور اسکی اتباع کرے۔ فرمانبرداری کے اس راستے میں سب سے پہلی رکاوٹ اس کا نفس ہے۔ دوسری رکاوٹ اس کی خواہشات تیسری رکاوٹ دنیا کی حکومت اور پھر چوتھی رکاوٹ شیطان ہے۔ ایک فرد صحیح معنی میں اس وقت مسلمان بنے گا۔ جب وہ اپنی خواہشات کو اپنے کنٹرول میں رکھے۔ ظلم سے نفرت کرے اپنے دل

سے دنیا کی مال و دولت کی محبت ختم کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پیدا کرے اور ان کے مقابلے میں شیطان کی اتباع نہ کرے انسان میں یہ صفات اہل ایمان کی جماعت اور اہل اللہ کی صحبت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ تم دنیا کی محبت دل میں نہ بٹھانا ورنہ تم خسارے میں چلے جاؤ گے۔

دنیا کی چیزیں دل سے باہر ہوتی ہیں اور عارضی زندگی کیلئے ہیں کیونکہ جب انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو سارے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔ اب مسلمان وہ ہے جو دائمی زندگی پر یقین و ایمان رکھتا ہے۔ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تین دور آتے ہیں۔ جن میں سے پہلا دور قبر کا ہے۔ دوسرا محشر کا ہے اور تیسرا دور جنت کا ہے اور یہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اس لیے گویا ایمان بالآخرت والا شخص کامیاب ہے۔

نظام عبادات کا مقصد: میرے دوستو! مسلمان کی تربیت کیلئے اسلام کا عبادات کا نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ کو عبادات کی ضرورت نہیں عبادات سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ سے تعلق اور قرب حاصل ہوتا ہے اور اس قرب کے نتیجے میں انسان اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرتا ہے۔ اللہ کی سچی جماعت اللہ کے اخلاق والی جماعت ہے۔ علم کی وجہ سے انسان کو فرشتوں کے مقابلے میں خلافت ملی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے انسان کو علم دیا ہے ایک علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو ترقی دیتا ہے۔ دوسرا وہ علم ہے جو کائنات سے متعلق سائنسی علوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی ہی نعمتیں زمین، دریاؤں، سمندروں میں اور پوری کائنات میں انسان کیلئے رکھی ہیں تاکہ وہ ان سے فائدہ حاصل کر سکے۔ علم کی فضیلت بہت بڑی فضیلت ہے یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے تاکہ پوری کائنات سے انسان فائدہ اٹھائے اور ترقی کرے۔ اس کی ایک جھلک والدین کی تربیت اور ملکی نظام میں بھی نظر آتی ہے بشرطیکہ ملکی نظام صالح ہو۔ اس طرح پوری انسانیت کو ترقی دینا اللہ تعالیٰ کے وصف کا حصہ ہے۔

میرے دوستو! دین کی تعلیمات کا دوسرا حصہ انسانوں کے حقوق ادا کرنے سے متعلق

ہے۔ یہ سارا دین ہمارا نظام حیات ہے۔ خود کو ظلم سے بچانا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنا یہ اخلاق کا تقاضا ہے جب جماعت میں اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوتا ہے تو اس میں اعلیٰ اخلاق آتے ہیں تو پوری انسانیت کی بھلائی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ میرے دوستو! حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کو پیدا کر کے اس کا ایک حصہ آغاز دنیا سے لیکر انتہائے دنیا تک انسانیت میں رکھدیا۔ اس میں سے ایک بڑا حصہ والدین کے اندر رکھدیا۔ جس کا وہ اپنی اولاد سے اظہار کرتے ہیں اور ہر وقت اپنی اولاد کو ترقی پر دیکھنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انبیاء کرامؑ کے ذریعے سے اس محبت کا اظہار کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا رب ہے۔ اسی طرح اللہ کا نمائندہ بھی پوری مخلوق کی بھلائی کا نظریہ رکھے گا۔ والدین کا نظریہ تو صرف اپنی اولاد کی ترقی ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی سچی جماعت پوری انسانیت کی ترقی کا نظریہ رکھتی ہے۔ پوری انسانیت وہ چاہے کسی بھی براعظم میں رہتی ہو وہ ایک نسل ہے اور تمام انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں اس لیے ان کے آپس میں حقوق و فرائض ہیں اور یہ سوچنے کی بات ہے کہ دین حق پوری انسانیت کے حقوق ادا کرنے کا نام ہے اس لیے مسلمان ایک قوم نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے اس کی ایک نمائندہ جماعت ہے کہ جب اس دنیا میں انسان کے حقوق غصب ہو جائیں ظلم کا نظام قائم ہو اور سامراج کا قبضہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسی جماعت پیدا کرتے ہیں جو ظلم کے نظام اور سامراج کا قلع قمع کرے اور انسانیت کو آزادی دلائے اور اعلیٰ اخلاق کا معاشرہ قائم کرے۔ انسان کی پہچان اعلیٰ اخلاق ہیں۔ تمام صوفیاء اور بزرگ انسانی دل کو اخلاق کا مرکز خیال کرتے ہیں۔ اعلیٰ اخلاق اہل اللہ کی صحبت اور سچے دین سے وابستگی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور برے اخلاق سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کے صحبت سے جب دل میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہونگے تو پھر پوری انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوگا اور ظلم کا خاتمہ ہوگا اور اگر دنیا کی محبت انسان کے دل میں آجائے تو اس سے بخل، تکبر، غرور، لالچ، خودغرضی اور ذاتی مفاد جیسے برے اخلاق پیدا ہوں گے۔ اسی لیے قرآن نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ یا اللہ ہماری اس دنیا کو جنت بنادے اور آخرت میں جنت نصیب فرما اور اس

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہمیں عذاب سے بچا جب اس دنیا میں برے اخلاق غالب ہو جائیں تو گویا دنیا جہنم بن گئی اور جب اعلیٰ اخلاق اور اللہ سے ڈرنے والوں کو غلبہ ہو جائے تو یہ دنیا جنت بن جاتی ہے معاشرے میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہوں گے اور جنت میں اعلیٰ اخلاق والے لوگ جائیں گے اور بداخلاق لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس لیے اس دنیا میں اعلیٰ اخلاق کو غالب کرنا اور برے اخلاق کو شکست دینا یہ اللہ کا منشاء ہے اور اللہ سچی جماعت کی مدد کرتا ہے۔

جماعت صحابہ کی انقلابی جدوجہد

میرے دوستو! ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہیں اور حضور ﷺ کافر، شہریوں اور تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں اور آپ کی یہ رحمت آپ کی جماعت میں موجود ہے۔ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے بعد رحمت کا وصف سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ میں ہے۔ میرے دوستو! انبیاء کرام اور حضور ﷺ کی تیار کردہ جماعت اور اہل اللہ پوری انسانیت سے ظلم کا خاتمہ کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا بول بالا کرتے ہیں۔ معاشرہ سے طبقات کا خاتمہ کر کے مساوات کا نفاذ کرتے ہیں۔ مظلوم جہاں بھی ہوں ان کی مدد کیجائے اور یہ نظریہ اپنے خاندان، رشتہ داروں، عزیز واقارب کے ساتھ ساتھ تمام انسانوں کیلئے بلاتفریق ہو۔ ہر انسان اپنی جان کیلئے، اولاد کیلئے اور رشتہ داروں کیلئے تو قربانی دیتا ہے مگر تمام دنیا کے مظلوم انسانوں کیلئے قربانی دینا ان سے ظلم مٹانا، یہ دینی نظریہ ہے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے اور کسی انسان کا دوسرے انسان کو غلام بنانے کا حق نہیں۔ آپ باہمی تعاون پر اولاد ماں باپ کی غلام نہیں۔ بلکہ ان کے حقوق ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح رشتہ داروں اور میاں بیوی کے حقوق وفرائض ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر حکمران اپنی قوم کو ترقی دینے کیلئے دوسرے ملکوں کا استحصال کرتا ہے۔ لیکن اسلام دین حق ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت کا کردار ہے کہ پوری انسانیت کی فلاح پیش نظر ہونی چاہیے۔ پوری انسانیت کو آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی جدوجہد کے نتیجہ میں ایک ہزار سال تک دنیا سے استحصال ختم ہوا۔

اعلیٰ اخلاق ونظریہ کی اہمیت:

میرے دوستو! اگر آج ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں ہر شخص انفرادیت میں نشوونما پا رہا ہے۔ مال کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ظلم کا بول بالا ہے عدل مفقود ہے۔ سچائی غائب ہے جھوٹ کی روانی ہے۔ امانتداری نہیں۔ بددیانتی کا راج ہے۔ بخل ہے سخاوت نہیں۔ گویا سوسائٹی باطنی اخلاق سے بالکل خالی ہے۔ کبھی مسلمان کی پہچان یہ تھی کہ سچ بولتا ہے۔ امانت دار ہے سخاوت کرتا ہے، حسد، لالچ، اور بغض نہیں رکھتا بلاتفریق پوری انسانیت کا خیر خواہ ہے۔ بغداد مسلمانوں کے دور عروج میں علم ودانش کا گہوارہ تھا، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اپنے شیخ کا فیض پھیلانے کیلئے ہندوستان آجاتے ہیں۔ یہ تربیت یافتہ شیخ راجستھان کے علاقے میں آکر آباد ہوجاتے ہیں۔ جو سارا غیر مسلموں کا علاقہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا وارث شیخ جب معاشرے میں ظالم اور مظلوم، اور انسان دوستی کا نظریہ دیتے ہیں تو لاکھوں غیر مسلم کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ یہ نبیؐ کا اخلاق ہے۔ جس کا ایک وارث جو اکیلا ہی اس خطہ میں آباد ہے جس کی برادری ہے۔ اور نہ رشتہ دار ہیں۔ اکیلا ہی اخلاق نبویؐ سے ان کافروں کو متاثر کرتا ہے۔ لاکھوں لوگ مسلمان ہوجاتے ہیں۔ اور یوں اس شیخ کی محبت ان لوگوں کے دل میں اتنی بڑھ گئی کہ انکا سیاسی نظام فیل ہوگیا۔ وہاں کے جاٹوں نے مہاراجہ کو لکھا کہ ایک درویش آگیا ہے۔ ہماری ساری رعایا کا تعلق اس کے ساتھ ہوگیا ہے۔ ہمیں بھی خطرہ ہے۔ تو مہاراجہ نے دھمکی دی کہ میں فوج بھیج کر تمہیں قتل کردوں گا۔ لیکن یہ اللہ کا بندہ اور ولی اپنا کام کرتا رہا۔ اور پھر شہاب الدین غوریؒ جو پہلے اپنے حملوں میں شکست کھاگئے تھے۔ ان کو دعوت دی کہ تم آجاؤ میں نے اللہ سے تمہاری مدد مانگی ہے۔ لہذا پانی پت کی لڑائی میں مہاراجہ کو شکست ہوئی جبکہ آج مسلمان ہر برے اخلاق کا مرکز ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی جماعت بنایا ہے۔ جس کے ذمے انسانیت کے حقوق کی نگرانی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو ایسی جماعت بنایا ہے جو کہ اخلاق رذیلہ سے پاک ہے۔ اس کے دل میں نہ لالچ ہے نہ دنیا کی محبت ہے

بلکہ اس میں عدل کا وصف ہے۔ انسان دوست ہے۔ اعلیٰ اخلاق کی مالک ہے۔ اور پوری انسانیت کی فلاح کا نظریہ ہے۔ اور بہادر ہے۔ اس جماعت سے ہم نے دنیا میں چوکیداری کا کام لینا ہے۔ اسلام میں حکمرانی کا مطلب عوام کو حقوق فراہم کرنا، معاشی ترقی دینا، ظلم کا خاتمہ کرنا اور عدل کا نفاذ کرنا ہوتا ہے۔ جیسے محلّہ کا چوکیدار چور اور ڈاکوؤں سے حفاظت کرتا ہے۔ اور اہل محلّہ آرام سے سوتے ہیں۔ ایسے ہی اسلام میں حکمران اپنی عوام کی بلاتفریق مذہب حفاظت کرتا ہے۔

میرے دوستو! جب ہم سے اعلیٰ اخلاق ختم ہو گئے ہم جماعت کی بجائے فرقہ پرستی میں پڑ گئے ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور ایک دوسرے کا استحصال کرنے والے بن گئے۔ اسلام میں عقیدہ کی بناء پر نفرت کی اجازت نہیں بلکہ نفرت ظالم سے ہونی چاہئے۔ اسلام مظلوم کی حمایت کرتا ہے۔ مظلوم کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب سے ہو۔ گویا دینی جماعت وہی ہوگی جس کا نظریہ اعلیٰ ہوگا۔

آج ہمارے دلوں میں قوموں سے شرک اور کفر کی بنیاد پر نفرت ہے۔ یہ سب اس وجہ سے کہ ہمارا نظام سرمایہ دارانہ اور مفاد پرستی کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ سال میں مظلوموں کی حمایت میں اپنے ہی خاندان کے لوگوں کے خلاف پچاس جنگیں لڑیں۔ لیکن جب مدینہ ہجرت کی تو وہاں کے کافروں سے معاہدہ کر لیا۔ ان کافروں سے جنگ نہیں لڑی صرف انقلاب دشمن لوگوں سے جنگیں لڑیں۔ لیکن جب مکہ کے انقلاب مخالف شکست کھا گئے مکہ فتح ہو گیا تو آپؐ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ وہی لوگ جو ابوجہل اور ابوسفیان کے جھنڈے تلے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑتے تھے جب مسلمانوں نے ان پر غلبہ حاصل کیا تو عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بیت اللہ میں داخل ہو جائے یا جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے یا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے معافی ہے۔ لیکن جو مقابلے پر آئے اور جنگ کرے اسے گرفتار کر لو یا قتل کر دو۔ تاریخی واقعہ ہے کہ اس انقلاب کے مخالف چند لوگ گرفتار ہوئے تو جب ان سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہئے تو انہوں نے کہا کہ عرب کا

دستور ہے کہ اگر ہم آپ پر غالب آتے تو تم لوگوں کو قتل کر دیتے اب آپ لوگ ہم پر غالب آ گئے ہیں تو آپ ہم کو قتل کر دیں۔ لیکن ان کی رائے لینے کے بعد آپؐ نے ان کو معاف کر دیا۔ حتی کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل کو بھی آپؐ نے معاف کر دیا۔ فتح مکہ کے کچھ عرصہ کے بعد مکہ کے تمام لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

لمحہ فکریہ:

لیکن آج مسلمان اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ نظریہ پر تعلیم و تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ملحد اور مرتد ہو رہا ہے۔ آخرت کا منکر ہو رہا ہے۔ قرآن کی تعلیمات سے بہرہ ہو رہا ہے۔ آج سوچنا ہوگا کہ دنیا میں مسلمانوں کے 56 ممالک ہیں لیکن ان میں سے کسی بھی ملک میں اسلام کا نظام نہیں۔ ان کی سیاست سامراجی ہے ان کے معاشرے آزادی سے محروم ہیں اور انسانی حقوق ناپید ہیں۔

میرے دوستو! اسی لئے دنیا میں سامراج کا غلبہ ہو گیا۔ مسلمانوں میں تعلیم و تربیت اور آزادی کا نظریہ ختم ہو گیا اس لئے آج وہی دور آ گیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ ہماری معیشت پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کا قبضہ ہو گیا اور سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے سارا معاشرہ فاسد اخلاق کا شکار ہو گیا ہے۔

اسلام چند رسومات کا نام نہیں بلکہ عملی زندگی کا نام ہے۔ ظلم سے پاک معیشت، اخلاق کا غالب ہونا، اور تہذیب و کلچر اعلیٰ نظریہ کے تابع ہوں۔

آج مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ نظام عدل کے قیام اور امن کے غلبے کیلئے جدوجہد کریں تا کہ غیر مسلم اس کے اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ نظریہ پر مبنی نظام کے تحت سکون کی زندگی گزار سکیں کیونکہ کافر اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ نظریہ اور اعلیٰ کردار سے متاثر ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور ہمارے نوجوانوں کو اپنے اکابرین کے فکر سے روشناس کرائے اور اعلیٰ اخلاق پر زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ظلم اور عدل سماجی تناظر میں

جب کوئی معاشرہ یا سماج اپنی زندگی کے اصول وقواعد بحیثیت قوم بنانے کے بعد اگر ان کو صحیح پیمانے پر چلائے گا تو وہ سماج ترقی کی طرف جائیگا اور اگر وہ سماج ان اصول وقواعد کو صحیح پیمانے پر نہیں چلائے گا تو ذلت اور پستی اس کا مقدر ہوگی اور ہر سماج کے اندر فکر ونظریہ معیشت اور سیاست یہ تین چیزیں اہم ہوتی ہیں ان کو صحیح رکھنے کے لیے عدل کا قیام ضروری ہے ورنہ وہ سماج ظلم کا شکار ہو جائے گا اگر کسی سماج کی معیشت عدل کے اصولوں پر صحیح خطوط کے ساتھ چلے گی اور اس کا نظریہ فکر بھی عدل ومساوات اور ہم آہنگی کے ساتھ بڑھے گا اور اس کی سیاست میں صحیح خطوط پر قوم کی رہنمائی کی جائیگی تو وہ سماج ان تینوں چیزوں کی ترقی سے اپنی قوم کو ترقی کی طرف لے جائیگا اور دنیا میں جنت نظیر معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور اگر اس کے برعکس معیشت میں مخصوص طبقے کا قبضہ ہو جائے اور فکر ونظریہ بھی محدود ہو جائے اور سیاست میں بھی اجارہ داری قائم ہو جائے تو اس وقت وہ معاشرہ اپنی قوم کو ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔

ظلم کا مفہوم:

ظلم کے معنی ہیں "وضع الشئی فی غیر موضعه"

جس چیز کا جو محل ہو اس کا وہاں نہ ہونا

اس بناء پر قرآن حکیم نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے۔ (سورۃ لقمان آیت ۱۳)

کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بے محل بات نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جب کوئی نظم کسی

مرکز کے تحت رہ کر کام کرتا ہے تو اس کے نتائج بہتر طور پر مرتب ہوتے ہیں اور جب مرکز سے کٹ جائے تو نتائج غلط نکلتے ہیں اسی طرح اللہ تعالی کی وحدانیت کو ماننا گویا اس مرکز سے جڑنا ہے اور اس مرکز کے تحت انسان ہی اپنی زندگی گذارے گا تو وہ بہتری کی طرف جائیگا اور اگر اس مرکز (خدا تعالی) سے کٹ جائے یا اور کسی سے تعلق جوڑے تو نتائج غلط ہونگے اور یہی بے محل بات ہے اسی طرح تمام برائیوں اور بداخلاقیوں کا ارتکاب انسان کا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے جیسے کہ قرآن حکیم نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے پس انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ (سورۃ فاطر آیت ۳۲) کیونکہ قرآن حکیم نے انسان کی عظمت و بلندی کا جو مؤقف مقرر کیا ہے وہ سب اس کے خلاف ہے اور اس لحاظ سے سب **وضع الشئی فی غیر موضعه** میں داخل ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے ظلم کی مختلف اقسام بنتی ہیں جن میں انفرادی ظلم، سماجی ظلم، عقیدے کا ظلم وغیرہ شامل ہیں۔

انفرادی ظلم: معاشرے کے اندر کوئی فرد کسی فرد پر ظلم کرے تو وہ انفرادی ظلم کہلاتا ہے یعنی حقوق کا غصب کرنا اور ناجائز زیادتی کرنا وغیرہ

سماجی ظلم: معاشرے کے اندر اجتماعی حقوق کا پامال کرنا، مثلاً کسی کند ذہن بچے کا بہتر ماحول میسر نہ ہونے کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہونا!

عقیدے کا ظلم: اللہ تعالی کی صفات یعنی علم اور قدرت میں کسی کو شریک بنانا چاہے عبادات کے اعتبار سے ہو چاہے سیاست کے اعتبار سے ہو۔ اس تعریف اور اقسام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانی معاشرے کے اندر جب بھی کوئی چیز اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جائیگی تو وہ ظلم کے زمرے میں آئیگی چاہے وہ انفرادی یا اجتماعی سطح کی ہو یا قومی ملکی سطح پر ہو۔ انسان کی عظمت و بلندی کا راز اصلی اس کے اخلاق و کردار میں مضمر ہے کسی زندگی میں جب یہ باقی نہ رہ جائیں تو اس کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے جبکہ اخلاق و کردار میں تسخیری و تنظیمی صلاحیت کے جوہر موجود

ہیں جن سے ظاہری و باطنی دشمن کے مقابلہ کے وقت کام لیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ قرون اولیٰ میں رومیوں کا جب مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور رومی دمشق وحمص کے میدان میں مسلسل شکستیں کھا رہے تھے تو قیصر روم نے اپنے چند فوجی افسروں کو بلا کر پوچھا کہ عرب کی فتوحات کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ تم تعداد وقوت اور سامان جنگ میں ان سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہو۔ اس پر ایک بوڑھے اور تجربہ کار افسر نے جواب دیا کہ!

''عرب کے پاس اخلاق کی طاقت ہے اور یہ ہمارے پاس نہیں ہے
وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں
کرتے، اپنے پرائے سب کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتے ہیں
مخلوق پر ظلم نہیں کرتے''

اس مثال سے واضح ہو گیا کہ ظالم اور بداخلاق قومیں ہمیشہ شکست خوردہ ہوتی ہیں اور انکی اخلاقی سطح نہایت پست ہو جاتی ہے کردار کا کوئی معیار نہیں رہتا اور ظلم کے ارتکاب میں اتنی بے باکی ہو جاتی ہے کہ ظلم کا احساس بھی دل سے نکل جاتا ہے اس لئے اللہ پاک ایسی قوم کا وجود زمین پر برداشت نہیں فرماتے جیسے قرآن حکیم کی آیت سے واضح ہے۔

اور کتنی ہی بستیاں ظلم وشرارت میں غرق تھیں ہم نے پامال کر ڈالیں اور انکے بعد دوسرے گروہوں کو لا کھڑا کیا۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۱۱)

عدل کا مفہوم: عدل کے معنی ہیں ''العدالة والمعادلة لفظ يقتضي معنى المساوات'' یعنی عدالت اور معادلت وہ لفظ ہے جو مساوات کے معنی کو مقتضی ہے اور اس کا استعمال ان چیزوں کے لئے ہوتا ہے کہ جن کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے جیسے کہ احکام ہیں۔

اگر ہم قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ قومی و جماعتی زندگی میں عدل پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے جیسے قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ عدل قائم کرنے کا حکم کرتا ہے۔ (سورۃ النحل آیت

نمبر۹۰)

تو گویا قرآن حکیم نے اس آیت شریفہ میں عدل واحسان کا حکم دیا ہے اور ظلم وزیادتی سے منع کیا ہے۔ تو اب ہم ذیل میں عدل کی تشریح ومفہوم اس اعتبار سے بیان کرتے ہیں کہ یہ واضح ہو جائے کہ قومی واجتماعی زندگی میں اس کا کیا مفہوم ہے۔

امام غزالیؒ نے عدل کو ''مجموعہ فضائل'' قرار دیتے ہوئے یہ تعریف کی ہے۔ ''قوت عقلی اور قوت شہوانی کی ضروری ترتیب اور پھر اسکے مطابق ان قوتوں کے وجود پذیر ہونے کا نام عدل ہے'' پھر کہتے ہیں۔ عدل مجموعہ فضائل کا نام ہے۔ فضائل کے تینوں اصول (عفت، حکمت، شجاعت) کے فروغ خود عدل کے فروغ ہیں (۴) یعنی قوت شہویہ وہ قوت ہے جو منافع حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس میں افراط کا نام فجور اور تفریط کا نام خمود اور اعتدال کا نام عفت ہے اور قوت عقلیہ میں افراط کا نام جذبزہ (بہت تیز) تفریط کا نام حماقت اور اعتدال کا نام حکمت ہے اور قوت غضب میں افراط کا نام تہور، تفریط کا نام جبن اور اعتدال کا نام شجاعت ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے عدالت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

هی ملكة فی النفس تصدر عنها الافعال التی یقام بها نظام المدینة و الحي بسهولته(۵)

عدالت ایک ملکہ کا نام ہے جس سے ایسے اعمال وافعال صادر ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے ملکی وقومی انتظام بآسانی قیام پذیر ہوتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک عدالت ایک ملکہ ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد فکری وعملی دونوں قوتیں ٹھیک ٹھیک استعمال ہونے لگتی ہیں اور حقوق وفرائض کی ادائیگی میں سہولت ہوتی ہیں (اور ملکہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اندر ایسی سوچ یا فکر کا پیدا ہو جانا کہ ہر آنیوالے معاملہ اور کام کا فیصلہ بغیر کسی تجربہ اور مشاہدہ کے صحیح طور پر کر سکیں یعنی غلط اور صحیح کی پہچان پیدا ہو)۔

قومی اور اجتماعی عدل میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ہر فرد عدل کے قائم کرنے میں اپنی ڈیوٹی پوری کرے اور عدل کو بروئے کار لانے کے لئے جن اعمال وافعال کی ضرورت ہے ہر فرد

اپنی طاقت بھر انہیں انجام دے عدل کے بروئے کار آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے اپنے محل اور اپنی حدود کے اندر ہو ہر شخص اپنا حق پائے اور بغیر کسی کمی کے دوسرے کا حق ادا کرے۔

افلاطون: کے نزدیک عدالت کا اصلی جوہر روحانی و داخلی ہے یعنی انسان کی روحانی و اندرونی زندگی اتنی منظم ہو کہ ہر شخص اپنا کام کرے اور دوسرے کے کام میں دخل نہ دے۔(۶)

پروفیسر جان ڈیوی اور پروفیسر جیمس ایچ ٹفٹس: نے عدالت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ عدالت کا لفظ جب بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد سچائی کو اپنانا اور اچھا کردار ادا کرنا اور صحیح راستے پر چلنا اس مفہوم کے لحاظ سے عدالت اخلاق کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور یہ عین نیکی ہے نہ کہ نیکی کی کوئی قسم اور عادلانہ فعل ہی واجب العمل فعل ہے۔ یہی چیز انصاف حاصل کرنے اور غیر جانب داری و دیانت داری کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور عدالت کے سب سے محدود معنی وہ ہیں جن کی رو سے عدالت اور قانون کے ذریعے حقوق کی حمایت ہوتی ہے۔(۷)

مذکورہ تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل و عدالت کے مفہوم کی وسعت کی گہرائی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور زندگی کی روحِ رواں یہی خصلت ہے اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں بھی یہی خصلت ہے۔ ادب، کفایت، حریت، سیاست مدینہ اور حسن معاشرت وغیرہ سب عدالت کی شاخیں ہیں، اپنی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھنا، عمدہ اور بہتر وضع اختیار کرنا اور دل کو ہمیشہ اس طرف متوجہ رکھنا ادب ہے۔ جمع اور خرچ، خرید و فروخت اور تمام معاملات میں عقل و تدبر سے کام لینا کفایت ہے۔ خانہ داری کے کاموں کو بخوبی انجام دینا حریت ہے اور شہروں اور لشکروں کا اچھا انتظام کرنا سیاست مدینہ ہے۔ بھائیوں میں نیک زندگی بسر کرنا ہر ایک کے حق کو پہچاننا اور ان سے الفت و بشاشت سے پیش آنا حسن معاشرت ہے۔(۸)

چنانچہ دنیا کی جو قوم جس حد تک اس خصلت کو اپنائے گی اسی لحاظ سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں اصلح قرار دی جائیگی اور قیام و بقا کی مستحق ہوگی۔ اس لحاظ سے اگر اس خصلت کا بغور جائزہ لیا جائے تو اس کی مختلف اقسام سامنے آتی ہیں جیسے انفرادی عدل معاشی عدل، سیاسی عدل،

سماجی عدل وغیرہ۔

انفرادی عدل: ہر آدمی اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مناسب طریقہ سے اپنے فریضہ کو سرانجام دے۔

معاشی عدل: وسائل معیشت میں ہر انسان کا حق تسلیم کیا جائے جس کے تحت اس کی صلاحتیں کام میں لائی جاسکیں۔

سیاسی عدل: ہر آدمی کی رائے کا احترام ہو یعنی حکومت کی تشکیل کرتے وقت عوام کی رائے کو دیکھا جائے جسے جمہوریت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

سماجی عدل: بنیادی حقوق ہر آدمی کو مہیا ہوں جیسے روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، علاج وغیرہ جسے مساوات سے تعبیر کرتے ہیں۔

فکر ونظریہ میں عدل

وحدت انسانیت: زندگی کا حاصل یہ ہے کہ انسان ایک نظریہ رکھے اور اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے مسلسل جدوجہد جاری رکھے اور اس کو کامیاب کرنے کے دوران جس قسم کی بھی رکاوٹ آئے خواہ خاندانی لحاظ سے ہو، سماجی لحاظ سے ہو، رسم ورواج کے لحاظ سے ہو یا قوم، اس کے نظریہ کی راہ میں حائل ہوتی ہو تو ان تمام کے خلاف وہ جہاد کرے اور اگر وہ دیکھتا ہے کہ ساری دنیا اس کے نظریہ کی رو سے غلط ہے تو وہ اس کے خلاف بھی جہاد کرے اور اگر کوئی نظریہ یا سوچ رکھے بغیر جہاد کرتا ہے تو یہ اس کا جہاد بھی ناقص ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

قرآن کریم تمام انسانیت کی رہنمائی کے لئے بنیادی فکر کی ترجمانی کرتا ہے یہ بنیادی فکر نہ کبھی بدلا اور نہ آئندہ کبھی بدلے گا۔ تمام ادیان۔ مذاہب اور فلسفوں کا اصل الاصول یہی فکر

ہے۔اس بنیادی فکر کو فطرت اللہ بھی کہتے ہیں اور اسے دین کا نام بھی دیتے ہیں۔جیسے قرآن حکیم کا ارشاد ہے!

یعنی اللہ کی دی ہوئی قابلیت پر (یعنی دین قیم پر) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔اللہ کی بناوٹ میں ردو بدل نہیں۔ (سورۃ روم آیت ۳۰)

حضرت سندھیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ تعلیمات شاہ ولی اللہ کے آئینے میں ہم نے قرآن کو اس کی اصلی شکل میں دیکھا ہے اور ہمیں معلوم ہوا کہ خالص اور بے میل انسانیت ہی قرآن کا صحیح اور مکمل نصب العین ہے۔جو تعلیم عام انسانیت کی ترقی کے لئے معاون ہے وہ حق اور جو تعلیم عام انسان کے ارتقاء میں حارج ہو وہ حق نہیں ہو سکتی۔(۹)

اس بات سے ہمیں یہ چیز واضح ہوگئی کہ جس سماج میں جو فکر نوع انسانی کے لئے ترقی کا کام کرے گا وہ حقیقت میں صحیح علم ہے اور جس سماج کو ایک مرکز اور نقطہ پر قائم رکھ کر معاشرہ فلاح اور ترقی کے لئے کام کریگا وہ سماج صحیح تعلیم سے آراستہ ہوگا اور صحیح موجود ہونے کی وجہ سے تمام انسانوں کو بلا رنگ و مذہب و نسل کے پورے پورے حقوق دے گا جیسا کہ قرآن کا مقصود اصلی اور دین کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔

فکر و نظریہ میں ظلم

گروہیت: وحدت انسانیت کی ضد گروہیت ہے جب کوئی قوم نام نہاد مراکز سے وابستہ ہو جائے یعنی خدائی قانون سے وابستہ ہو کر صرف اپنی اپنی ترقی اور کامیابی کا سوچے گی اور انسانیت کی ترقی اور فلاح کے لئے سوچ پیدا نہیں کریگی تو وہ قوم ذلت اور پستی کی طرف چلی جائیگی اور وہ اپنے نظریے اور فکر میں محدود ہو کر رہ جائیگی جس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر مذہبی، لسانی، قومی و سیاسی حوالے سے گروہ پیدا ہونے شروع ہو جائینگے یعنی مذہب میں اہل مذہب اپنے اپنے نظریے اور سوچ کے مطابق ایک گروہ تشکیل دے لیتے ہیں اور اسی طرح قوم میں لسانی اعتبار سے ہر زبان والا اپنی زبان کے مطابق اپنے اندر گروہ پیدا کر لیتا ہے اور مختلف اقوام ملکی

واجتماعی سوچ کی بجائے اپنی اپنی برادری اور قوم پرستی کا وجود منوانے لگتے ہیں اور سیاسی حلقے اپنے اندر اس طرح گروہ اور جماعت بندی پیدا کرتے ہیں کہ لوگ انکے مختلف ہتھکنڈوں اور سازشوں میں پھنس کر اپنے مسائل سے دوچار ہو جاتے ہیں تو گویا مذہبی ولسانی اور قومی وسیاسی گروہ معاشرے کے اندر انسانیت کی ترقی کی بجائے ذلت کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ قرآن حکیم نے ان کی مذمت کچھ یوں کی ہے۔

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (آیت نمبر ۱۰۳ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳)

یعنی اجتماعیت پیدا کرنے کا حکم ہے اور گروہ بندی سے منع کیا گیا ہے اور حضرت سندھیؒ بھی ایک جگہ پر رقم طراز ہیں۔

> ''ایک قوم ایک مذہب کو اختیار کرتی ہے اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے وہ اسی رنگ میں رنگتی چلی جاتی ہے اور اس طرح انسانی دین قومی دین بن جاتا ہے لیکن اس قوم کا اصرار ہوتا ہے کہ اس کا دین ہی ساری انسانیت کا دین ہو اور صرف یہی قوم انسانیت کی حامل اور نمائندہ ہے بے شک ابتداء میں ان کا یہ فکر دین انسانی ہوتا ہے اور اس میں ہر رنگ اور ہر نسل والے کو مقام مل جاتا ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ قومی بن جاتا ہے اور آخر میں نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ فرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اور صرف میں ہی حق پر ہوں باقی سب لوگ گمراہ اور کافر ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ دین جو ساری انسانیت کا شیرازہ بن کر آتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ انتشار اور نزاع کا باعث بن جاتا ہے قرآن اسی کو کفر قرار دیتا ہے'' (۱۰)

قرآن کریم کی آیت کریمہ اور اس عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو فکر انسانیت کے اندر انتشار پیدا کرے اور قوموں کو تقسیم کر دے اور ان کے اندر مختلف مذہبی، لسانی وسیاسی حوالے سے گروہ پیدا کر دے تو وہ فکر اور وہ گروہ غلط ہیں حتیٰ کہ کفر کے مترادف ہیں کیونکہ منتشر ذہن قوموں کو ترقی کی بجائے ذلت اور ظلمت کی طرف لے جاتا ہے

معیشت میں عدل: سماج میں بنیادی کردار ادا کرنے کے حوالے سے دوسرا اصول معیشت ہے اب ہم معیشت کا ظلم وعدل کے حوالے سے تجزیہ کریں گے

معیشت میں مساوات: کسی بھی سماج کے اندر رہنے والے افراد کا ایک نظام ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ سماج اپنی قوم کی زندگی کو صحیح لائن پر گزارنے کا موقع دیتا ہے۔ اگر اس سماج کا نظام مضبوط بنیادوں پر ہوگا تو وہ سماج ترقی کرتا چلا جائیگا سماج کے نظام میں جو چیزیں اس کو مضبوط بناتی ہیں وہ اس کا فکری، سیاسی اور معاشی نظام ہوتا ہے۔

معاشی نظام بہت ہی اہمیت کا حامل نظام ہے جس پر سارے معاشرے کی زندگی کا مدار ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح خون انسانی جسم میں اگر گردش کرتا رہے تو وہ انسانی جسم صحیح رہے گا اور اگر کہیں بھی خون رک گیا یا کسی جگہ پر خون کی زیادتی ہوگئی اور جسم کے دوسرے حصے میں خون بالکل نہیں پہنچا تو وہ انسان بیمار پڑ کر بالکل ہی ختم ہو جائیگا۔

اسی طرح معیشت ہے اگر کسی معاشرے میں یہ معیشت مخصوص طبقوں اور چند مالدار لوگوں میں گھومتی رہے اور بقیہ انسانوں تک اس کی رسائی نہ ہو تو وہ معاشرہ بھی اس انسانی جسم کی طرح بیمار پڑ جائیگا اور وہ ختم ہو جائیگا۔ اس لئے معاشی دولت کا پورے معاشرے میں گردش کرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ سماجی مسائل حل نہ ہوسکیں گے گویا تعاون باہمی ضروری ہے۔

معاشرے کے تمام افراد ایک گھر کی مانند ہیں اور ایک گھر کے افراد کی طرح انہیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے ''تعاون باہمی'' کے اصول کی اہمیت بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''باہمی تعلقات کے حوالے سے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ آپس میں الفت اور تعاون باہمی کی مصلحت (اصول) کو پیش نظر رکھیں اور کوئی آدمی دوسرے کو ہرگز تکلیف نہ دے سوائے اس

صورت کے کہ کوئی اجتماعی تقاضا پورا کرنا ضروری ہو'' (۱۱)

اس تعاون باہمی کے اصول کے اہمیت کے پیش نظر یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ معاشرے میں معیشت کو تعاون باہمی کے اصول کے مطابق انسانی جسم کے خون کی طرح معاشرے میں رکنا یا جمع ہونا درست نہیں جسکے نتیجے میں معاشرے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے تمام اشیاء کو تمام لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ نہیں کہ کسی کو کسی نعمت سے محروم کر دیا ہو اللہ کا وعدہ ہے کہ زمین پر رہنے والے ہر ایک جاندار کی معیشت اس کے ذمے ہے۔

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالی نے اپنے ذمہ میں لی ہے۔ (سورۃ ہود۔ آیت نمبر ۶)

حق معیشت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کا حق تمام انسانوں کو ہے۔ نہ کہ کسی مخصوص طبقہ کو جیسے قرآن حکیم کی آیت سے واضح ہے۔

اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں معیشت کے سامان بنا دئے اور ان کے لئے جن کو تم روزی نہیں دیتے'' (سورۃ الحجر نمبر پ ۱۴۔ آیت نمبر ۲۰)

گویا حق معیشت میں تمام انسانوں کو یکساں حق دیا گیا ہے درجاتِ معیشت یہ ہے کہ ہر انسان اپنی کوشش اور ہمت کے مطابق اللہ کی نعمتوں سے کمائی کرے اب اگر کوئی اس محنت کے نتیجے میں کمائی کے اندر بڑھ جائے تو ٹھیک ہے اور اس اعتبار سے محنت اور اس کا کمائی میں بڑھ جانے میں تفاوت ہوگا تو لازمی ہوگا کہ معیشت میں درجات پیدا ہو جائینگے اور یہ درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لیے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لئے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوت درجات تو ہو لیکن ایسا کہ معیشت انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے فقر و افلاس کا سبب

بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔ اس لئے قرآن پاک نے بھی اس قسم کے تفاوت سے ممانعت فرمائی ہے اور قرآن عزیز نے اس تفاوت درجات کو اسطرح بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے۔ پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیردستوں پر لوٹا دے کہ اس روزی میں سب برابر ہو جائیں پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے۔ (سورۃ النحل آیت نمبر ۷۱)

گویا معیشت میں تفاوت درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک طرف غنی کو صاحب ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی دولت تنہا اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ انفرادی ملکیت کے باوجود یہ یقین رکھے کہ وہ جس قدر زیادہ کمائے گا اسی قدر اسکی دولت پر اجتماعی حقوق زیادہ عائد ہونگے اور یہ درجات کا تفاوت معاشرے کے دوسرے افراد کو محروم المعیشت بنانے اور ذاتی اغراض کی خاطر معاشی دستبرد کرنے کے لئے نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کی نعمت (عطائے ثروت) کا منکر ہے کیونکہ یہاں دولت سرمائے کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع بازی نہیں ہے بلکہ انفرادی حاجات وضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات وضروریات کی تکمیل ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ معیشت میں مساویانہ حقوق کا ہونا لازمی ہے ورنہ معاشرہ اس انسانی جسم کی طرح ختم ہو کر رہ جائے گا جس کا خون گردش کرنے سے رک گیا تھا۔ گویا عدل کی بنیاد اس کا نظریہ محنت اور تعاون باہمی پر استوار ہونا ہے۔

محنت: معاشیات میں محنت سے مراد انسان کا ذہنی یا جسمانی نفع رسانی پیدا کرنے کا ہر وہ کام ہے جسے معاوضہ حاصل کرنے کیلئے کیا جاتا ہے روحانی لذت یا آخرت کے فائدے کے حصول جسمانی ورزش یا کسی نقصان پہنچانے (مثلاً چوری، ڈاکہ زنی، قتل وغارت گری) اور بغیر معاوضہ

لئے محض خدمت کے طور پر کئے جانے والے کام معاشی محنت کے تحت نہیں آتے۔ گویا یہ بات واضح ہوگئی کہ محنت عاملین پیدائش میں سے بنیادی عامل پیدائش ہے اور سرمایہ کے متعلق آج کل کے سامراجی کہتے ہیں کہ یہ مستقل عامل پیدائش ہے جبکہ حقیقت میں یہ عامل پیدائش نہیں ہے۔ اس تشریح کے بعد یہ بات واضح ہوگئی اور یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ معیشت میں محنت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس بات کی طرف اس طرح اشارہ کیا۔

انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے محنت سے کمایا گویا معلوم ہوا کہ انسان کے لئے صرف وہی چیز ہے جو اس نے اپنی کوشش اور محنت سے کمائی ہے۔ (سورۃ آیت نمبر ۳۹)

سرمایہ: اس سے مراد وہ تمام اموال ہیں جو زمین یعنی قدرتی مادی اشیاء اور انسانی محنت کے تعاون سے وجود میں آتے ہیں اور مزید دولت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں ایسا مال جو ذاتی تصرف میں ہو وہ دولت کہلاتا ہے جبکہ سرمائے کا اطلاق مزید دولت پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جانے والی نمو پذیر اشیاء (اموال) پر ہوتا ہے۔

جب ہم سرمایہ کو مستقل عامل پیدائش مانیں گے تو یہ ایک استحصالی عامل پیدائش ہوگا۔ جسکے نتیجہ میں سرمایہ کاری کے بجائے سرمایہ داری نظام کی اساس قائم ہوجاتی ہے اور جب لوگ محنت کا بطور عامل تذکرہ کرتے ہیں تو اس کی حیثیت یہاں تک گرادی جاتی ہے کہ انسانی محنت کو برابری کی بنیاد پر سوداکاری کی قوت سے بھی محروم کردیا جاتا ہے اور جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محنت مستقل عامل پیدائش ہے اور سرمایہ اس کا معاون ہے جب یہ معاون ہوگا تو معاشرہ کے اندر سرمایہ کی سرکولیشن صحیح معنوں میں جاری رہے گی اور اس تعاون کی صورت میں سرمایہ بڑھے گا اور معاشرہ کے اندر سرمایہ کی صحیح سرکولیشن ہوتی رہے گی۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سرمایہ کا اپنا وجود محنت کے بغیر مشکوک ہوجاتا ہے چہ جائیکہ سرمایہ اپنا کوئی کردار سامنے لائے یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشی محنت کی اپنی ایک عظمت ہے وہ ایک ایسا بنیادی عامل پیدائش دولت ہے کہ سرمایہ کے بغیر بھی پیدائش دولت کا عمل جاری رکھ سکتا ہے۔ مثلاً ذاتی اشیاء کو سرمایہ یا دولت کی شکل دینا اور ان میں افادیت پیدا کرنا انسانی محنت کا ہی

کام ہے ان حالات میں سرمایہ کی تعاونی قوت کا ابھار اسی وقت ظاہر ہوگا جب انسانی محنت کا اساسی تعاون اسے حاصل ہو اور انسانی محنت کا تنوع اس وقت سامنے آئے گا جب سرمائے کی تعاونی قوت اسکے ساتھ تعاون کرے اس طرح ان دونوں کے باہمی تعاون سے ایک ایسا توازن پیدا ہو جاتا ہے جو یقیناً انسانی سماج میں ایک معتدل اور متوازن معیشت کی بنیاد فراہم کر سکتا ہے اور یوں تعاون باہمی کے اصول کی کارفرمائی سے درست معاشی نظام کی تشکیل جدید ممکن ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ایک جگہ لکھتے ہیں

> ''پھر یہ بات پیش نظر رہنا ضروری ہے اگر معاشی معاملات میں لوگوں کے درمیان باہمی تعاون اور اشتراک عمل کے ذریعے مالی ترقی اور نمو (بڑھوتری) بروئے کار نہ آئے تو ملک کی معاشی حالت کا درست رہنا بڑا ہی مشکل ہے۔(۱۲)

شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعاون باہمی کا اصول ایسا بنیادی ہے کہ معاشرے کے تمام سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل اس اصول کی روشنی میں حل کئے جا سکتے ہیں۔

معیشت میں ظلم:

جاگیرداری: محنت اور سرمائے کی اس بحث کے بعد اب ہم نے اس چیز کو پیش نظر رکھنا ہے کہ معاشرے میں کن وجوہات کی بناء پر معاشی حوالے سے طبقات پیدا ہو جاتے ہیں اور گردش دولت کہاں جا کر ٹھہر جاتی ہے جس کے نتیجے میں سماج کے اندر بے راہ روی اور غربت جیسے فتنے جنم لیتے ہیں اس لحاظ سے آج اگر ہم سماج کا تجزیہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشی نظام کمزور ہے۔ جس کی وجہ سے غربت اور بدامنی جیسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

ان چیزوں کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام نے قوم کو

مفلوج کر دیا ہے اور ذلت و پستی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔

اگر ہم جاگیرداروں کا گہری نظر سے تجزیہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''جاگیرداری'' سماجی زندگی کا ایک ایسا ادارہ ہے جس میں فرد واحد یا چند افراد جاگیر کے بل بوتے پر لوگوں کی محنت کا استحصال کرتے ہیں تو گویا جاگیردار سماج کی محنت کا استحصال اس طرح کرتا ہے کہ جن چیزوں کا تعلق اور جن کا فائدہ علاقے کے تمام لوگوں کو ہوتا ہے اور ان کے مفادات ان چیزوں سے وابستہ ہوتے ہیں ان کو فرد واحد یا چند افراد (جاگیردار) اپنے لئے محدود کر لیتے ہیں اور ان تمام وسائل کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں اس اعتبار سے جاگیرداری نظام کا ہونا انسانیت پر بہت بڑا ظلم ہے۔

سرمایہ داری: اس سے قبل ہم ذکر کر چکے ہیں کہ معاشی نظام کمزور ہونے کی وجہ سے سماج میں سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام پیدا ہوتا ہے اس نظام کے نتیجہ میں سماج غفلت، بے راہ روی اور غربت جیسی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور قوم میں طبقات پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

اس سے قبل جاگیردارانہ نظام اور اسکے نتائج کے حوالے سے گفتگو ہو چکی ہے اور اب ہم سرمایہ دارانہ نظام اور اسکے نتائج کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

چنانچہ محنت اور سرمایہ کے کردار میں استحصالی شکل کو سرمایہ داری کہتے ہیں۔ تو گویا معاشرے کے اندر محنت اور سرمائے کا استعمال درست ہوگا تو اس وقت سماج صحیح سمت پر چلے گا اور ترقی کی طرف گامزن ہوگا لیکن جب محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کی گئی اور سرمائے کا استعمال بھی چند لوگوں کے ہاتھوں میں رہا یعنی گردش دولت درست نہ ہوئی تو سماج تنزلی کی طرف جائے گا اور ذلت اور غربت کا شکار ہو کر برباد ہو جائے گا۔

جیسے امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے مزدوروں اور کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے وہ برباد کر دینے کے قابل ہے۔ (۱۳)

تو گویا جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہیں کرتا اور دولت کا انحصار چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جائے تو وہ قوم ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس چیز کا تجزیہ ہم اپنے خطے برصغیر (پاک و ہند) کا

کرتے ہیں تو یہ چیز ہمیں اس طرح واضح ہوتی نظر آتی ہے کہ آج سے اڑھائی تین سو سال قبل جب اس خطے پر مسلمانوں کی حکومت تھی اس میں جاگیردار اور سرمایہ دار کا استحصالی کردار قطعاً نہیں تھا اور قوم خوشحالی اور عزت کی زندگی گزار رہی تھی اور اسکے نتیجے میں قوم اچھے اخلاق کی مالک تھی لیکن جونہی انگریز سامراج نے اس خطے کے اندر اپنے ناپاک قدم جمائے اور قوم کا استحصال کرنا شروع کیا اور اپنے ایجنٹ اس قوم میں پیدا کئے یہاں کے بڑے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو اس کام کے لئے مخصوص کیا اور اس نے قوم کی محنت اور سرمائے کا استحصال کرنا شروع کیا تو اس کے نتیجے میں قوم کے اخلاق بگڑ گئے اور معاشی خوشحالی جاتی رہی اور دولت مخصوص ہاتھوں کے گرد گھومنے لگی یعنی محنت اور سرمایہ تو قوم کا اور عیاشی مخصوص لوگوں نے کی اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس قوم پر جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کا غلبہ رہا ہے۔

سیاست میں عدل:

سیاست میں عدل اور ظلم کے حوالے سے ہمیں اس چیز کو سامنے رکھنا چاہئے کہ سیاست کسی بھی نظام کا بنیادی اور لازمی حصہ ہے جسکے مضبوط ہوئے بغیر وہ نظام صحیح بنیادوں پر چل ہی نہیں سکتا جیسا کہ سماج کے تین اہم پہلو بیان کئے تھے تو ان میں سیاست کو بھی ہم نے لازمی جز قرار دیا تھا۔

سیاست اگر جمہوری بنیادوں پر ہوگی تو وہ سیاسی نظام عدل پر مبنی ہوگا اور اگر جمہوریت کے بجائے آمریت آجائیگی تو وہ ظلم ہوگا۔

جمہوریت: یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ اسلام ہر قسم کے ذاتی اور شخصی تسلط کی مطلقاً نفی کرتا ہے۔ اسلام نے روز اول سے ہی جو نظام حکومت قائم کیا وہ خالص جمہوری نظام تھا اور شخصی تسلط سے پاک تھا۔

ہمارے اکابرؒ نے یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ بیان کی ہے کہ اسلام ایک جمہوری

نظام حکومت پیش کرتا ہے اور اسلام کی سیاسی تعلیمات کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ ایسی حقیقی جمہوریت کے قائم کرنے کی کوشش کی جائے جس میں قوموں کی آزادی، سیاسی مساوات، قانون کی حکمرانی، سماجی عدل، معاشرے کی بحیثیت مجموعی ترقی اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے رویے اور سچے جذبے فروغ پائیں یہ اسلام کی حقیقی جمہوریت کا تصور ہے۔ حقیقی جمہوریت اسلام کے سیاسی نظام کا ایک ایسا سنہری پہلو ہے جو دنیائے انسانیت میں سب سے پہلے اسلام نے متعارف کروایا۔ حقیقی جمہوریت کے خدوخال کو واضح کرنے میں حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ جمہوریت کی تعریف میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔

> ''حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ وہ ذمہ داری جو میں نے تمہارے معاملات چلانے کے لئے سنبھالی ہے تم اس میں مکمل طور پر میرے ساتھ شریک ہو تم میں سے ہر ایک فرد کی طرح میں بھی ایک فرد کی حیثیت رکھتا ہوں (گویا میرا ووٹ دوسرے کسی ایک فرد کی طرح ہے) آج کے دور میں تمہاری جماعت حق پر قائم ہے گویا حقائق کو سامنے رکھ کر آج تم نے ہر صحیح فیصلہ کرنا ہے جو میری رائے کی مخالفت کرنا چاہتا ہے وہ بخوشی میری مخالفت کرے اور جو میری رائے سے اتفاق کرنا چاہے بغیر کسی جبر و کراہ کے کرے میں قطعاً یہ نہیں کہتا کہ تم لوگ میری رائے کو ضرور تسلیم کرو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ (۱۴)

حضرت عمرؓ کے اس قول کے پس منظر میں حقیقی جمہوریت کی جو روح کارفرما تھی بعد کے علماء نے اس کو پیش نظر رکھ کر عوام کی رائے کو بڑی اہمیت دی ہے اور ایسے اداروں کی تشکیل پر زور دیا ہے جو حقیقی طور پر لوگوں کے نمائندہ ادارے ہوں۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''قوم کے منتخب اور عقل مند افراد کا ادارہ نظام حکومت چلائے'' (۱۵)

اس طرح شاہ صاحبؒ نے اجتماعی اداروں کی اہمیت کو اپنی تحریروں میں جابجا اجاگر کیا ہے۔ آج کے مغربی نظام کے تحت جو جمہوریت کے کھوکھلے نعرے (حقیقت سے خالی) لگائے جارہے ہیں اسلام کے حقیقی جمہوری نظام کے بالکل منافی ہیں۔

سیاست میں ظلم

آمریت:

جب کسی قوم کا شعور مجموعی طور پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ غلط و صحیح کی پہچان کرنا چھوڑ دے تو اس وقت وہ قوم اپنے حکمرانوں کے تحت غلامانہ زندگی گزارتی ہے اور وہ حکمران آمریت کے مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے قوم کو اپنے ماتحت رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں جیسا کہ آج پچاس سالہ عرصے میں ہمارے حکمرانوں نے مذہب کا نام استعمال کر کے سیاسی، سماجی اور معاشی آمریت کو قائم کیا ہوا ہے اور یہ بہت خطرناک سازش ہے (جبکہ ہم ان تین بنیادی شعبوں میں آمریت کے حوالے سے اس مقالے میں اس سے قبل تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں)

تو گویا حکمران لوگ جو قوم کے نگہبان ہوتے ہیں اور قوم کے اجتماعی تقاضوں کا خیال رکھنا اور قوم کی ضروریات زندگی کا بندوبست کرنا بھی ان کے ذمے ہوتا ہے تو جب وہ اس طرح ہمیں مختلف ہتھکنڈوں اور مختلف طریقوں سے اپنے آمرانہ تسلط میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور پھر خاص طور پر ہمارا معاشرہ جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں قوم کو جمہوریت کا نعرہ دیا جاتا ہے لیکن در پردہ آمریت قائم کر کے من مرضی کے ملکی قوانین انگریز سامراج کے اشاروں پر بنائے جاتے ہیں اور قوم کو مختلف جھگڑوں اور مذہبی و لسانی فسادات میں لے جا کر انکی سیاسی بصیرت ختم کر دی جاتی ہے۔

تو گویا جب قوم میں آمریت قائم ہوگی تو اس کے نتیجے میں قوم ذلت وپستی کا شکار ہوجاتی ہے اور ارتقاء کا عمل رک جائے گا اور اس آمریت کے ذریعے قوم کو روز بروز غلام بنایا جائے گا اور انکی صلاحیتوں کو ختم کردیا جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں معاشرہ تباہی کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے۔

ظلم اور عدل کے سماجی اثرات:

جب بھی کسی سماج یا معاشرے میں عدل کا قیام ہوا تو اس معاشرے میں ہر ایک کو اس کا حق پورا پورا دیا گیا ہے۔ جب عدل قائم ہوتا ہے تو معاشرے میں خوداری، خوداعتمادی یعنی اپنی ذات پر اعتماد ہونا، سیاسی بصیرت، یعنی غلط اور صحیح کی پہچان، اچھے اخلاق یعنی اعلی کردار کا پیدا ہونا، انسانیت کے لئے خیر خواہی یعنی بغیر رنگ ونسل ومذہب کے خیر خواہی کا پیدا ہونا، ملکی اور قومی مفاد کے لئے سوچ اور اعلی تعلیم یافتہ لوگ پیدا ہوتے ہیں تا کہ قوم کی صحیح خطوط پر راہنمائی کرسکیں اور اس عدل کے نتیجے میں کسی انسان کو کسی پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے اور ظلم کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور پوری انسانیت چاہے مسلم ہو، چاہے غیر مسلم بلاتفریق رنگ ونسل ومذہب ہر ایک کو اس کا حق دیا جاتا ہے اور جب نظام ظلم قائم ہوتو اس وقت وہ قوم بے راہ روی یعنی غلط راستہ اختیار کرلیتی ہے اور بداعتمادی یعنی دوسروں پر اعتماد کا نہ ہونا اور بداخلاقی یعنی بدکردار ہونا اور بے شعوری یعنی غلط اور صحیح کی پہچان کا نہ ہونا اور انسانیت دشمنی یعنی انسانیت کی خیر خواہی کا نہ ہونا اور جہالت اور سیاسی بے شعوری کا شکار ہوجاتی ہے۔ حتی کہ مذہب سے بھی متنفر ہوجاتی ہے اور اس ظلم کے نتیجے میں کمزور لوگ غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

تحریر: مولانا عبدالرحیم طاہر (ہارون آباد)

حوالہ جات

۱	مفردات القرآن ص ۳۲۶	امام راغب اصفہانی
۲	عروج وزوال کا الٰہی نظام ص ۱۴۸، ص ۱۴۹	مولانا تقی امینی
۳	مفردات القرآن ص ۳۳۶	امام راغب اصفہانی
۴	احیاء العلوم ج ۳ ص ۴۸	امام غزالیؒ
۵	حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۹۸	امام شاہ ولی اللہؒ
۶	عروج وزوال کا الٰہی نظام ص ۸۲	مولانا تقی امینی
۷	عروج وزوال کا الٰہی نظام ص ۸۳	مولانا تقی امینی
۸	شعور آگہی ص ۲۰	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
۹	شعور آگہی ص ۲۸	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
۱۰	شعور وآگہی ص ۲۹	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
۱۱	حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۹ (مطبوعہ قاہرہ)	امام شاہ ولی اللہؒ
۱۲	حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۵۷ (عربی اردو مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز)	امام شاہ ولی اللہؒ
۱۳	شاہ ولی اللہ کے اقتصادی اصول (ماخوذ از شعور وآگہی ص ۱۲۰)	مولانا عبید اللہ سندھیؒ
۱۴	کتاب الخراج ص ۲۷	قاضی امام ابو یوسفؒ
۱۵	البدور البازغہ	امام شاہ ولی اللہؒ